© rasailojaraid.com

دین و دانش

پروفیسر سید محمد شمس الدین

فن روایت اور درایت

مؤرخ ابن خلدون:۔

ڈاکٹر نجم الاسلام رقمطراز ہیں:۔

"اب ہم ایک طویل فاصلہ طے کر کے آٹھویں صدی ہجری تک آتے ہیں۔ یہ ابن خلدون کی صدی ہے۔ وہ تاریخ کے حوالے سے کچھ اصول تحقیق بالوضاحت پیش کرتا ہے۔ بالخصوص اپنے مقدمے میں۔ اس کا کہنا ہے کہ ضرورت ہے متعدد، آخذوں کا پتہ لگایا جائے۔ مختلف علوم سے واقفیت حاصل کی جائے۔ اور مؤرخ صحیح فکر اور گہری نظر بھی رکھتا ہو کہ وہ اس کے ذریعے حق و صداقت کی راہ پا سکے اور لغزشوں اور اغلاط سے دامن بچا سکے۔ کیونکہ اخبار میں اگر محض نقل پر محدود نظر رکھی جائے اور اصول عادت، قواعد، سیاست، طبیعت، تمدن اور اجتماع انسانی کے حالات کو پیش نظر نہ رکھا جائے اور نہ غائب و غیر موجود کو حاضر و موجود پر قیاس کیا جائے سچائی کے راستے سے ہٹ جائیں گے۔ خطرے سے نجات نہیں مل سکتی۔ چنانچہ اکثر و بیشتر مؤرخین، مفسرین اور ناقلین، نقل حکایات و وقائع میں غلطیوں کے شکار ہو گئے ہیں۔ محض اس لئے کہ انہوں نے صرف نقل پر بھروسہ کیا۔ خواہ وہ قابل رد ہو یا قابل قبول اور ان کو نہ اصول پر کسا نہ انکے متشابہات پر قیاس کیا نہ معیار حکمت اور طبائع کائنات کی واقفیت پر ان کو پرکھا اور نہ اخبار پر گہری نظر ڈالی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حق سے بے حق ہو گئے اور وہم و غلطی کے چنگل میں بھٹکتے پھرے۔ خصوصاً جبکہ حکایات میں عمال اور افواج کے شمار اور گنتی کی نوبت آتی۔ کیونکہ حکایات میں جھوٹ اور غلط بیانی کی بڑی گنجائش ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کو اصول پر جانچیں اور قواعد پر پرکھیں وہ کہتا ہے کہ انسان طبعاً عجیب بات کہنے کا دلدادہ ہے اور اعتراض یا تنقید سے غفلت برتتے ہوئے اس کو جلد زبان پر لے آنے کا عادی ہے۔ وہ نفس کی بھول چوک یا اس کے ارادے پر اس کی جانچ پڑتال نہیں کرتا اور وہ نقل خبر میں واسطے یا چھان بین سے سروکار نہیں رکھتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زبان کی لگام کو ڈھیل دے دیتا ہے۔ اور اسکو جھوٹ کے میدان میں خوب آزادی بخشتا ہے۔ اور اسطرح اللہ کی آیات کا مذاق بناتا ہے اور لغو باتوں کی اشاعت کر کے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے لہٰذا اس قسم کی خبریں تم تک پہنچیں تو فوراً باور نہ کرو بلکہ غور و فکر کرو۔ اور قوانین صحیحہ پر انکو پرکھو اور جانچو۔ حقیقت حال تم پر روشن ہو جائے گی اور اللہ ہی راہ حق دکھانے والا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن خلدون فرماتے ہیں کہ کتب تاریخ میں بیہودہ حکایات گھڑنے اور بنانے کا راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ناقلین خود ناجائز لذتوں میں پھنسے ہوئے تھے اور دوسروں کی پردہ دری کیا کرتے تھے۔

اس کے نزدیک مؤرخ کے نزدیک لابدی ہے کہ وہ ملکی، سیاسی، قواعد اور موجودات کے طبائع سے واقفیت رکھتا ہو، قومیں اور زمین و زبان، عادات اور اخلاق، سیرت و خصلت، مذہب و ملت اور دیگر حالات میں جن انقلابی دوروں سے گذرتی رہتی ہیں ان سے بھی وہ شناسا ہو۔ نیز قابلیت رکھتا ہو۔ کہ حاضر و موجود کو غائب وغیر موجود سے ملا کر دیکھے کہ ان میں اتفاق ہے یا اختلاف اتفاق کی بھی علت تلاش کرے اور اختلاف کی بھی وجہ دریافت کرے اور سلطنتوں اور قوموں کے اصول ان کی ابتداء اور انکے حدوث کے اسباب و دواعی کی معلومات بھی بہم پہنچائے اور جو اشخاص ان امور میں ذمہ دارانہ شخصیت رکھتے ہوں ان کے حالات و اخبار سے بھی شناسائی رکھتا ہو تاکہ وہ ان معلومات کے تحت ہر خبر کے سبب کا سراغ لگا سکے۔ اور جو خبر اس تک نقل ہو کر پہنچی ہے۔ اگر وہ اس کے قواعد و اصول پر پوری اترتی ہے۔ تو اس کو صحیح جانے ورنہ اس کو جھوٹی اور کھوٹا جان کر نظر انداز کر دے۔

ابن خلدون اس امر پر بہت زور دیتے ہیں کہ اہل علم اور قوموں کے حالات و عادات و مذاہب ایک نہج و وطیرہ پر نہیں چلتے رہتے۔ بلکہ اختلاف ایام و زمانے کے ساتھ ساتھ وہ بھی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدلتے رہتے ہیں۔ جس طرح لوگ اور آبادیاں ایک حالت پر برقرار نہیں رہتیں۔ اس طرح سطح زمین، زمانہ اور سلطنتوں کو ثبات و قرار نہیں۔ ابتداء کی یہی عادت اپنے بندوں میں جاری ہے۔ جو اس کا لحاظ رکھے گا تاریخی تحقیق میں ایک غلطی کے سرزد ہونے سے بچ جائے گا۔ یہ بھی اس کا قول ہے۔

"کہ جس چیز کو لوگوں نے نہ دیکھا ہو اس کی خبر کو بے دھڑک جھٹلا بیٹھتے ہیں بلکہ جس طرح عجوبہ پسندی کی وجہ سے اکثر ناممکن باتوں کو لوگ مان لیا کرتے ہیں۔"

پس انسان کے لئے مناسب یہی ہے کہ ہر خبر روایت کو اصول پر پرکھے اور جانچے اور بے لوث ہو کر عقل، مستقیم سلامت طبع سے ممتنع و ممکن میں صحیح صحیح فرق و تمیز کرے۔ جو دائرہ امکان میں ہو اسکو قبولیت کا درجہ دے اور جو اس سے خارج ہو اس کو رد کر دے مگر یہاں امکان سے مراد امکان عقلی نہیں جس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کیونکہ وہ واقعات میں کوئی حد قائم نہیں کر سکتا بلکہ اس سے مراد امکان مادی ہے۔ یعنی جب ہم کسی شے کی جنس و صفت، مقدار و عظمت و قوت کا پتہ لگالیں تو پھر اس نسبت سے اس کے حالات پر حکم لگائیں اور جو مذکورہ بالا امور سے خارج و زائد معلوم ہو اس کو ممتنع جانیں۔ (۱۳)

مغربی تحقیق:

مسلمانوں کے اصول ہائے تحقیق مذکور ہو گئے ہیں۔ تقریباً قریب یہی اصول اہل مغرب کی کتب میں بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان ہونے لگے ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان لکھتے ہیں۔

"CARTER V GOOD" کی مشہور کتاب OF EDUCATIONAL RESEAVCH

THE METHODOLOGY میں جو اصول بیان کئے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

"کسی واقعے کو پرکھنے کے لئے خارجی اور داخلی شہادتوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ مواد کہاں سے حاصل ہوا؟ راوی کون تھا؟ اس کے ذاتی حالات، مزاج، مذاق، کردار و گفتار کی نوعیت کیا تھی؟ اس کا تعلق ان واقعات سے کیا تھا؟ واقعہ نگاری کی نوعیت کیا ہے؟ پھر اس خاص واقعہ کے کتنے عرصے کے بعد راوی نے اسے نقل کیا ہے؟ وہ روایت محض حافظے کی بنیاد پر بیان کی گئی ہے۔ یا کسی اور راوی نے بھی اس کی تصدیق کی ہے؟ اصل واقعہ کتنا ہے؟ اور تحریف یا اضافہ کس حد تک ہے؟ (۱۴)

مغرب کے اصول مسلمانوں سے اخذ کردہ ہیں:۔

یہ اصول CARTER V GOOD نے فراہم کئے ہوں یا DR HOLLIS نے جمع کر لئے ہوں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ سب کے سب اور قطعی طور پر مسلمانوں کے اصول حدیث سے ماخوذ ہیں۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ لکھتے ہیں۔ "اور یہ اصول ایسے ہیں کہ خود مغربی مستشرقین ان پر عمل نہیں کر سکتے۔ چنانچہ یہ اصول "فکری تحقیق" یا "نظریاتی تحقیق" کے ذیل میں تو آسکتے ہیں۔ لیکن عمل تحقیق کے دائرہ عمل سے باہر ہیں اور یہ محض اس لئے ہے کہ ان کے ہاں وہ احتیاط نہیں برتی جاتی جو قرون اولیٰ میں مسلمانوں کے ہاں رائج تھی۔ موجودہ دور کا محقق اس بات سے خوش ہو جاتا ہے کہ اس نے کوئی معاصر شہادت ڈھونڈھ نکالی ہے۔ اب اسے مزید تحقیق و تنقیح سے سروکار نہیں۔" (۱۵)

CARTER V GOOD نے جو اصول تحقیق بتائے ہیں وہ دراصل خوشہ چینی ہے مسلمانوں کے قرونِ اولیٰ کے اصولوں کی مولانا شبلی نعمانی فرماتے ہیں:۔

"لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا ہے۔ وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا۔ اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو اس واقعے میں شریک تھا اگر وہ خود شریک نہ تھا تو تمام شریک راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے۔ نیز وہ کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ مشاغل کیا تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ فہم کیسا تھا؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذھن تھے یا دقیقہ بین؟ عالم تھے یا جاھل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا مشکل تھا بلکہ ناممکن تھا۔ سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کر دیں۔ ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے ------- (۱۶)

ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش لکھتی ہیں۔

"فن تحقیق ایک قدیم فن ہے جسے کئی زاویوں سے دیکھا جاتا رہا ہے اور آج بھی مختلف علوم و فنون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے مختلف طریقہ ہائے تحقیق مقرر کئے جاتے ہیں مضبوط تحقیق کا جدید تصور سب سے پہلے اہل یونان نے اپنایا اور یونانی مفکر ارسطو نے اسے پروان چڑھایا۔ خیال یہ تھا کہ کسی بات کو اس وقت تک تسلیم نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا ثبوت یا اس کی صداقت کی دلیل موجود نہ ہو۔ اس طریق کار نے اہل یونان کی فکر و نظر میں ایک انقلاب پیدا کر دیا کہ ہر شخص حقیقت کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا۔ لیکن سائنس میں تحقیق کا عنصر بہت حد تک مسلمانوں کا مرہونِ منت ہے۔ کیونکہ علم کے لئے تجربات، مشاہدات، باریک بینی اور تلاش و جستجوئے حقائق میں مسلمان، یونانیوں سے بھی آگے بڑھ گئے تھے تاہم اس ضمن میں مسلمانوں کی بالادستی ان کی عمیق نظری کا باعث تھی۔ الفارابی، الغزالی، ابن خلدون، ابن سینا اور ابن رشد جیسے سائنس دانوں اور ماہرین علم نے جدید طریقہ تحقیق کی بنیاد ڈالی اور ان ہی کی تحقیقات سے اہل یورپ نے استفادہ کیا (۱۷)

یونانیوں کی تحقیقات سائنس تفتیش اور ہیت و طبیعت پر جو کچھ کام کیا اس میں "بریفالٹ" کے بقول تحقیق و جستجو، تجربہ و مشاہدہ، دقت نظر اور حتمی نتائج کے حصول کی کمی تھی۔ پروفیسر طفیل ہاشمی بریفالٹ کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

"یونانیوں کی قدیم کتابوں میں دو سے زیادہ ایسی چیزوں کا ذکر نہیں ملتا جنکو سائنسی تجربہ کہا جاسکے۔ ایک تو فیثا غورث نے تانت کی تھرتھراہٹ معلوم کی۔ دوسرے بطلیموس نے انعطاف کا پتہ چلایا۔------ یونان کے نہایت باقاعدہ مفکرین میں ہمیں ایسے معاملات میں حیرت انگیز لاپرواہی نظر آتی ہے جنکی تصدیق و توثیق نہایت آسانی سے کی جاسکتی تھی۔ مثلاً ارسطو لکھتا ہے۔ کہ شیر کی گردن میں صرف ایک ہڈی ہوتی ہے۔ انسان کی صرف آٹھ پسلیاں ہوتی ہیں۔ مردوں کے دانت عورتوں سے زیادہ ہوتے ہیں۔ انڈے سمندر کے پانی پر تیرتے ہیں۔ الغرض یونانیوں کی تمام سائنس غیر تجرباتی تھی یہی وجہ ہے کہ وہ پانچ سو سالہ دور عروج میں ایک سڑک، ایک پل، ایک نہر اور ایک بھی کاریز نہیں بنا سکے۔ بلکہ برٹرنیڈ رسل، (RUSIAL) نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے۔

THE WORLD AS HEETS RATHER THAN AS MAN OF SERENCE"

THE GVEEKO OBSERVED۔" (۱۸) اسلام جب اپنی ترقی کی انتہاء کو چھو رہا تھا اس زمانے میں ابھی تک یورپ قرون مظلمہ کی انتہاء کو اور اسکی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ جس دور میں صرف قرطبہ میں ایک لاکھ تیرہ ہزار مکانات، اکیس مضافاتی بستیاں، ستر لائبریریاں، کتب فروشوں کی بے شمار دوکانیں، مساجد، محلات، حمام، پختہ سڑکیں، گھروں میں آب رسانی کا اہتمام اور راتوں کو روشنی کا معقول انتظام تھا۔ اس کے سات سو سال بعد تک لندن کی کسی گلی میں روشنی کا انتظام نہیں تھا اور کئی صدیاں بعد تک پیرس کی گلیاں نا پختہ تھیں۔ (بقیہ ۴۸ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(بقیہ اداریہ)

نصر اللہ خان اعلی اللہ مقامہ نے ۱۹۷۷ء کی نام نہاد "تحریک نظام مصطفیٰ" (اسوقت مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے تحریک کو یہی عنوان دیا گیا تھا) میں دی گئی قربانیوں کو ۷۰ کلفٹن کی دہلیز پر رکھ کر دیا اور پیپلز پارٹی سے عقد ثانی کر کے پیار کی پینگیں بڑھائیں اور پاکستان کی تمام لادین سیاسی جماعتوں کو پھر سے کھل کھیلنے کے لئے ایم آر ڈی کا سٹیج فراہم کیا اور دراصل پیپلز پارٹی کو پھر سے زندہ کرنے کا پروگرام تشکیل دیا تب حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ کا وجود ہی تھا جو اس پروگرام میں جمیعت علماء اسلام کے "ترقی پسند" عناصر کی راہ میں سنگ مزاحم بن گیا۔ حضرت مفتی محمود مرحوم تو آغاز میں ہی رحلت فرماگئے مگر ان کی باقیات نے ایم آر ڈی میں بھرپور کردار اداء کیا اور حضرت درخواستی نے اپنے ساتھیوں سمیت جمیعت میں اس کی بھرپور مخالفت کی۔ نتیجۃً پارٹی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ آج بھی جمیعت علماء اسلام کا ایک دھڑا بے نظیر حکومت کا "اٹوٹ انگ" ہے۔ اور عاشقِ جمہوریت حضرت نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب نے بھی اپنا "انگ" اسی اٹوٹ میں ڈال دیا ہے اور پیپلز پارٹی سے نواب صاحب کا یہ تیسرا عقد ہے۔

الغرض حضرت درخواستی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت کا ہر دور میں تمام دینی حلقوں نے بے پناہ احترام کیا اور مرنے کے بعد بھی یہ سعادت ان کے حصے میں آئی۔ اس کی اصل وجہ ان کی دین سے غیر متزلزل وابستگی اور عملی زندگی میں اتباعِ سنت نبوی ﷺ تھی۔ انہوں نے تمام عمر حدیثِ رسول ﷺ پڑھائی۔ انہیں اتنی کثیر تعداد میں احادیث یاد تھیں کہ حافظ الحدیث کا لقب ان پر صادق آیا۔

مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں مولانا سید عطاء المحسن بخاری، سید عطاء المومن بخاری اور مولانا محمد اسحق سلیمی نے ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور اپنے تعزیتی بیان میں کہا کہ "مولانا کی دینی خدمات نصف صدی پر محیط ہیں جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جائیگا۔ ان کی وفات قحط الرجال کے اس دور میں ایک عظیم سانحہ ہے۔ وہ ان شخصیات میں سے تھے جو مرجع خاص و عام ہوتی ہیں۔ ان کی وفات پر صرف ان کے اہل خانہ ہی تعزیت کے مستحق نہیں بلکہ تمام اہل سنت اس غم میں برابر کے شریک ہیں اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے جانشینوں کو ان کے نقش پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

حضرت مولانا کی تقریر کے ایک اقتباس کو یہاں تبرکاً نقل کر کے اس تعزیتی شذرہ کو ختم کرتا ہوں۔

"دینی قوتوں کا اتحاد ہی ہماری کامیابی کی ضمانت ہے۔ بے دین لوگوں سے اتحاد اور ان کی رفاقت سے ہماری اجتماعیت منتشر ہو جائے گی۔ قرآن پڑھو، قرآن پر عمل کرو، حدیث رسول ﷺ پڑھو، سنت رسول ﷺ کی اتباع کرو، بے دینوں کے خلاف متحد ہو کر جہاد کرو۔ اللہ ضرور کامیابی عطاء فرمائے گا۔ سب کہو سبحان اللہ (۱)

(۱) حضرت مولانا مرحوم کا تکیہ کلام تھا۔

آئندہ شمارے میں ....

مولانا ابو ریحان سیالکوٹی کا تحقیقی مقالہ —— "الفئتہ الباغیہ"

قاتل عمار رضؓ کون؟ —— شامل اشاعت ہو گا --------- (ادارہ)

© rasailojaraid.com